تِروینی کی ترویج میں پاکستانی شعرا کا حصہ

غلام رسول خاور چودھری
پنجاب دانش ہائیر سیکنڈری سکول میانوالی
پروفیسر ڈاکٹر منور ہاشمی
نادرن یونیورسٹی نوشہرہ
ڈاکٹر محمد عزیر

Abstract

[Tirvini is a short poem of three lines only. First two lines present an idea in totality, the third lines sometimes stretches the idea even further or surprises the reader negating the idea altogether. Its founding father is a celebrated Indian national named Gulzar, however this form of poetry thrived in the best habitat in Pakistan. Allama Shariq Jamal Nagpur and Dr Manazir Ashiq Harganvi tried with much success to delineate its form and features which proved in turn counterproductive hampering its speedy progress. This article asserts that Pakistani poets contributed substantially to take it to the current apex. A Pakistani scholar named Ali Haider Malik subscribed a first-ever introductory article of Tirvini to a Bombay based magazine"Shaair" (poet) in 1998. He presented few sample poems of Yawar Amaan and Fouqia Mushtaq in his article. Later on a first-ever book of Trivini –"Tirvinian" was also published from Pakistan. This first publication kick started a series of seven books of Tirvini in quick succession to stamp its popularity. It is not without much surprise that even Gulzar's first book of Tirvini was also published from Pakistan. Besides these interesting details some other poets with respect to their works are discussed in this article.]

اُردو اَدب کے وسیع تر رقبوں میں کئی اصناف و ہیئات نے نموپائی؛ شعرا نے اپنے تخلیقی جوہر سے کیا کیا صحرا گل وگلزار نہ کیے ؟ آج ان میں سے بہت سی اصناف و ہیئات اُردو میں اس قدر رَچ بس چکی ہیں، کہ غیریت کا ذرا احساس نہیں ہوتا۔ قصیدہ، غزل، مثنوی، مرثیہ، گیت، دوہا اور نظمِ آزاد ہمارے اَدب سے یوں جڑے ہیں جیسے گوشت سے ناخن۔ ایک زمانہ پہلے سانیٹ، ترائیلے اور لمرک نے فروغ پایا اور پھر جاپانی اصناف ہائیکو، واکا، سیئن ریو اور پنجابی صنف ماہیا کے سبب مغربی اصناف پس منظر میں چلی گئیں۔ کچھ برس پہلے ڈاکٹر فراز حامدی (انڈیا) نے سانیٹ اور ترائیلے کو نئے سرے سے منجھ دھو کر نکالا؛ دوہا چھند سے منسلک کیا اور اُردو کے نئے قاری کو سمجھنے کا موقع فراہم کر دیا۔ ان کے تتبع میں انڈیا کے دوسرے شاعروں نے بھی ان اصناف کو دوہا چھند کے چوکھٹے میں سجایا۔ خصوصاً وقیع منظر، کامل جنیٹوی اور اشہر جنیٹوی کے یہاں خوش سلیقگی دکھائی دیتی ہے۔ پاکستان تک اس کی گونج پہنچی اور ہمیں نورالدین موج کے یہاں ان اصناف کا چلن دکھائی دیتا ہے۔ گویا یہ ایسا منظر نامہ ہے جو احساس دلاتا ہے، کہ توانا اور طاقت ور اصناف و ہیئات اپنی جگہ خالی نہیں کرتیں۔

تِروینی کا طلوع ستر کی دہائی کے آغاز میں ہوا۔ اس کے موجد گلزار جی کی تروینیاں 73-1972 میں کملیشور جی کی ادارت میں شائع ہونے والے رسالے "ساریکا" میں شائع ہوتی رہیں۔(1) اس زمانے کے آس پاس ہائیکو بھی جگہ بنا رہی تھی اور 1980 کے قریب ڈاکٹر محمد امین کی ہائیکو نظموں کا مجموعہ منظر پر آگیا۔ یہ اُردو ہائیکو کا اوّلین مجموعہ ہے۔ ہائیکو کی آمد کے ساتھ ہی پاک وہند کے شعرا اس کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں تِروینی پس منظر میں چلی گئی۔ ہائیکو کے علاوہ تِروینی کی راہ میں رکاوٹ بننے والی دوسری شے اس پر تنقید تھی۔ اس کے سانچے کو عروضی جامہ میں مخصوص کرنے کی کوشش کی گئی۔ علامہ شارق جمال ناگ پوری اور ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اس کے لیے نئے سانچے وضع کیے۔ جن میں ایک خاص قسم کی رکاوٹ اور گھٹن تھی؛ کیوں کہ تروینی اپنی ذات میں حریت پسند ہے اور کسی بھی طرح کا بار برداشت نہیں کرتی۔

تروینی ایسی سہ مصرعی نظم ہے؛ جس کے پہلے دو مصرعے ایک بیت کی مانند ہیں۔ خیال اس میں مکمل ہو جاتا ہے اور ان مصرعوں کی الگ سے طاقت ہوتی ہے۔ تیسرا مصرع کبھی خیال میں اضافے کی صورت بنتا ہے اور کبھی اُسے یک سر اُلٹ دیتا ہے۔ گویا مستزاد، متضاد بھی ہو جاتا ہے۔ بعضوں نے اسے صنف قرار دیا ہے۔ صنف کا تعلق موضوع سے ہے؛ تروینی کسی ایک

موضوع کی پابند نہیں بلکہ اس میں ہر طرح کا موضوع سما سکتا ہے۔ تروینی ایک ہیئت ہے اور خود گلزار نے بھی اسے ہیئت ہی قرار دیا ہے۔ اس کے نام کی وضاحت بھی اُنھوں نے کر دی ہے :

> شروع شروع میں جب یہ فارم بنائی تھی، یہ اندازہ نہیں تھا کہ کس سنگم تک پہونچے گی۔ تِروینی کا نام اس لیے دیا تھا، کہ پہلے دو مصرعے گنگا جمنا کی طرح ملتے ہیں اور ایک خیال، ایک شعر کو مکمل کرتے ہیں۔ لیکن ان دو دھاراؤں کے نیچے ایک اور ندی ہے.... سرسوتی۔ جو پوشیدہ ہے۔ نظر نہیں آتی۔ تروینی کا کام سرسوتی دکھانا ہے۔ تیسرا مصرعہ کہیں پہلے دو مصرعوں میں پوشیدہ ہے، چھپا ہوا ہے۔(2)

تروینی کا لفظ سنسکرت زبان کا ہے اور "تھر" اور "وینی" کا مرکب ہے۔ تھر سے مراد تین اور وینی سے مراد پانی کی رانی۔ ہندی زبان میں "و" سے "ب" "ی" سے "ج" بنانے کی روایت ہے۔ جیسے "واس" سے "باس" اور "یگ" سے "جگ" وغیرہ۔ اس لیے اسے ہندی میں "تربنی" بھی کہا گیا۔ گنگا جمنا اور سرسوتی ہندوؤں کے لیے انتہائی مقدس و متبرک ہیں۔ پریاگ (الہ آباد) میں جس مقام پر ان کا اتصال ہوتا ہے، وہ تروینی کہلاتا ہے۔(3) اس خاص تناظر میں تروینی کی اہمیت اور گلزار کی نکتہ رسی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ چناں چہ یہ ہیئت اس حوالے سے بھی قابلِ توجہ ہے۔ اُنھوں نے اس کے تیسرے مصرع کو کہیں کومنٹ اور کہیں سرپرائز کہا اور کسی مقام پر اسے شوخی سے بھی محمول کیا۔ یوں اس کے تیسرے مصرع کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ گلزار کی ایک تروینی دیکھیں:

وہ جس سے سانس کا رشتہ بندھا ہوا تھا مرا
دبا کے دانت تلے، سانس کاٹ دی اُس نے

کٹی پتنگ کا مانجا، محلے بھر میں لٹا

انڈیا میں سب سے پہلے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اس ہیئت کی طرف توجہ دی۔ اُنھوں نے ایک اور عروضی سانچا بھی بنایا؛ جس کے مطابق پہلا مصرع مختصر، دوسرا طویل اور تیسرا طویل تر ہے:

ہم اور کہاں تک

تدبیر کے سائے میں رہیں گے

تقدیر بہت دُور فضاؤں میں کھڑی ہے

اسی انداز پر اُنھوں نے کئی وزن بنائے۔ اس طرح کا کام علامہ شارق جمال ناگ پوری نے بھی کیا:

آئینہ کہنے لگا

کون ہے مجھ سا ذرا مجھ کو بتا

عکس ہی ہو وہ کوئی تو جا مجھے لا کر دکھا

اس طرز کو پذیرائی نہ مل سکی۔ سرحد پار متذکرہ بالا شعرا کے علاوہ یونس احمر، کرشن کمار طور، مشرف حسین محضر، محمد صدیق عالم، حکیم منظور، اسلم حنیف اور شارق عدیل نے ترویني نظمیں کہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے، کہ اس ہیئت کی ایجاد تو انڈیا میں ہوئی لیکن اس کی صحیح نشو و نما کا کام پاکستانی شعرا نے انجام دیا اور سب سے پہلا تعارفیہ بھی پاکستانی ادیب علی حیدر ملک نے لکھا۔ یہ مضمون 1998 میں "شاعر" بمبئی میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں اُنھوں نے کراچی کے دو شاعروں یاور امان اور فوقیہ مشتاق کی ترویني نظمیں بھی دیں۔ یہ بھی پیشِ نظر رہے، کہ احمد ندیم قاسمی نے بھی گلزار کی اس ہیئت کو سراہا تھا۔ گلزار کا مجموعہ "تِروینی" بھی پاکستان سے ہی شائع ہوا۔ اس تناظر میں کہا جا سکتا ہے، کہ گلزار اور اُن کی وضع کردہ ہیئت کو خلوص کے ساتھ جس دھرتی نے سینے سے لگایا، وہ پاکستان ہے اور شاید اس کے پس منظر میں یہ بھی ہو کہ گلزار کا آبائی وطن اور جائے پیدائش دینہ ضلع جہلم ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ انڈیا چلے گئے لیکن اپنے وطن کو بھول نہیں پائے؛ اس پس منظر میں ان کی یہ ترویني ہے:

ہوائیں زخمی ہو جاتی ہیں کانٹے دار تاروں سے

جبیں گھستا ہے دریا جب تری سرحد گزرتا ہے

مرا اِک یار ہے، دریائے راوی پار رہتا ہے

پاکستان میں یاور امان اور فوقیہ مشتاق کے علاوہ شاعر علی شاعر، زیب النساء زیبی، پروفیسر ڈاکٹر طاہر سعید ہارون، سہیل غازی پوری، آصف ثاقب، رفیع الدین راز، زعیم رشید، ساتھی محبوب، ڈاکٹر محمد طہور خان پارس، ظہیر ظرف، گلزار (دادو)، ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم، گل زیب عباسی، جاوید رسول جوہر اشرفی، شفیق احمد شفیق، حمیدہ سحر اور راقم نے ترویني نظمیں کہیں۔ اول

الذکر دونوں شعرا نے پوری طرح گلزار کا طرز اختیار کیا۔ اُنھوں نے تیسرے مصرع کی بُنت چونکادینے والے انداز میں کی ہے۔چوں کہ تِروینی کے باب میں پاکستان میں سب سے پہلے انھی شاعروں کا نام چمکا ہے تو انھیں پاکستان میں بنیاد گزار کہا جاسکتا ہے۔ جس طرح اُردو دوہا کو جمیل الدین عالی اور ماہیا کو حیدر قریشی نے تحریک کی صورت دی، اِسی طرح شاعر علی شاعر نے تروینی کو ایک تحریک بنادیا۔ اُنھوں نے اپنے رسالے ''رنگِ ادب'' میں اعلان شائع کیا تھا، کہ جو بھی اس ہیئت میں کہے گا، اُسے نمایاں کرکے شائع کیا جائے گا۔اُنھوں نے ملک بھر سے سہ مصرعی نظموں کے مجموعے اکٹھے کیے۔ راقم کی ہائیکو اور ماہیوں کا مجموعہ ''ٹھنڈا سورج'' (2006) بھی منگوایا اور پھر تروینی کے لیے ریاض شروع کردیا جو 2009 میں ''تروینیاں'' کی شکل میں ہمارے سامنے آیا۔ اس کے چند ماہ بعد نامور ادیبہ ، زود گو شاعرہ زیب النساءزیبی کا ضخیم مجموعہ '' تیرا انتظار ہے'' کے نام سے 2009 میں ہی شائع ہوا۔ اس مجموعے میں ہر تروینی کو عنوان سے سجا کر ایک جدت قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم پہلے شاعر ہیں، جنھوں نے اس ہیئت کو نعت گوئی کے لیے منتخب کیا۔ جنوری 2010 میں ان کا مجموعہ ''نعتیہ تروینیاں'' کے نام سے شائع ہوا۔ اسی سال مارچ 2010 میں ناموردوہا نگار پروفیسر ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کی تروینی نظموں پر مشتمل کتاب ''بارش میں دھوپ'' چھپ کر سامنے آئی۔ استاد شاعر آصف ثاقب کی تروینیوں کا انتخاب (ساون رُت) رنگِ ادب کراچی کے تحت 2011 میں شائع ہوا اور اس کے اگلے برس تروینی کے موجد گلزار جی کی کتاب ''تِروینی'' سنگ میل لاہور سے شائع ہوئی۔ پھر کچھ سال کے وقفے سے تروینی کا اہم مجموعہ ''تِروینی تیرے نام'' زعیم رشید نے 2016 میں پیش کیا؛ اس مجموعے کا دیباچہ گلزار جی نے لکھا ہے۔ یہ شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ تروینی کی نشوونما پاکستان میں ہوئی۔

یاور امان کا ایک حوالہ رباعی بھی ہے۔ اُنھوں نے تروینی کو فن کارانہ بلوغت اور فکری مہارت سے برتا ہے۔ ان کی نظموں میں بلا کی تازگی اور کشش ہے۔ وہ خیال کی پُروائی کو بتدریج لفظوں میں منتقل کرکے رعنائی سے معمور فضا تشکیل دیتے ہیں:

۱
عمر بھر موت کے تعاقب میں
زندگی سنگرام کرتی ہے
موت محبوبِ زندگی ہے کیا؟

۲
بڑے ہی چاؤ سے پہنا ہے اس نے
سنہرے ہاتھ میں سونے کا کنگن
ہے کس کا کون زیور کون جانے؟

فوقیہ مشتاق کی غزلیں اور نظمیں ایک خاص تاثر کے ساتھ سامنے آئیں۔ اُنھوں نے تروینی میں وہی روش اختیار کی، جو گلزار جی کی طرف سے طے کی گئی تھی۔ چناں چہ ان کی نظموں کا تیسرا مصرع جہانِ معنی کے در کھولتا ہے اور ایک نیا منظر گفتگو پر آمادہ دکھائی دیتا ہے:

۱	دو کناروں کے درمیاں دریا	۲	کیا کوئی فیصلہ بھی کرنا ہے
	مجھ کو کوئی رقیب لگتا ہے		مجھ کو اب زندگی کے بارے میں
	ہم کنارے ہیں تو دریا کون ہے ؟		فیصلہ اس کا اَب بھی باقی ہے

شاعر علی شاعر ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے۔ افسانہ، ناول، تنقید، شاعری اور پھر شاعری میں بھی ہمہ رنگی، شاعر کے اوصاف میں شامل ہے۔ اُنھوں نے ادب کے وسیع منطقوں تک رسائی کی کوشش کی۔ تروینی میں اُن کا امتیاز یہ ہے، کہ وہ پہلے صاحبِ کتاب تروینی نگار ہیں۔ ''تروینیاں'' 130 نظموں پر مشتمل مختصر مجموعہ ہے لیکن اس میں موضوعات کا تنوع ہے؛ فکر و فلسفہ، مذہب، اخلاقیات، جمالیات، وطن پرستی اور معاشرت سمیت بیسیوں مضامین پر شاعر کا قلم رواں ہے۔ چوں کہ اُنھوں نے شعوری کوشش کر کے اس ہیئت کو اختیار کیا؛ لہٰذا اُن کے یہاں کئی رنگ ایک ساتھ جھلکنا فطری ہیں۔ یہ مثالیں دیکھیں:

۱	پہلی رات کا چندا سوچے	۲	کرنوں کی اِک سیڑھی لے کر
	مجھ سے کیا شے ہو گی باریک		چاند اُتر آیا آنگن میں
	میں نے تیری کمر کو دیکھا		آنکھ نہ کھلتی تو اچھا تھا(4)

جس طرح زیب النساء زیبی کا ادبی منظر بہت بسیط اور ارتقاع آشنا ہے؛ اسی طرح اُن کی تروینی نظموں کا کینوس بھی وسیع ہے۔ گلزار جی کی کتاب میں شامل نظموں کی تعداد سو کے قریب ہے؛ زیبی کی نظمیں 736 ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا مجموعہ ''تیرا انتظار ہے'' سب سے ضخیم ہے۔ اب تک شائع ہونے والی کوئی بھی کتاب اس ضخامت کی نہیں آئی۔ اُن کے یہاں زندگی اور متعلقِ زندگی کے ہر موضوع کو خوش سلیقگی اور بے باکی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ منطق و فلسفہ ہو یا معاشرتی اُتار چڑھاؤ ، علم و عمل ہو یا روگ بجوگ، بہادری ہو یا خود سپردگی، ہر میدان میں اُن کی تروینی رواں دواں ہے۔ اُنھوں نے تروینی کو باعنوان بنا کر ایک جدت قائم کی۔ عام قاری کے لیے اس سے آسانی تو ہوئی ہے لیکن ایک حد تک نظم کا حسن بھی ماند پڑا ہے۔ بہ ہر حال اُن کا مقام اور کام قابلِ قدر ہے:

۱	[عورت اور قیدِ تنہائی]	۲	[اے مسلمانو! نظریں نیچی کر لو]

مجھ کو سمجھ کر موم کی گڑیا تانکا جھانکی کام بُرا ہے
الماری میں رکھ چھوڑا ہے ہم تم نے کب یہ سوچا ہے
لمس بدن کو ترس گئی ہوں آنکھوں میں خود آگ بھری ہے(5)

ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم کی کتاب" نعتیہ تروینیاں"120 نظموں پر مشتمل ہے۔اُنھوں نے اس ہیئت کو ایک الگ ڈگر پر ڈال کر اپنے لیے ایک خاص مقام متعین کر لیا ہے۔بار گاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے نسبت قائم کر کے اُنھوں نے تروینی کے مزاج کو مزید وسعت دی ہے۔تروینی کی مخصوص ہیئت اور تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نعت کہنایقینا مشکل ہے:

ا	علم و عمل کی جانب لائے	۲	ذکرِ نبی نے روپ سجایا
	آقا نے اذہان جگائے		ذکرِ نبی نے من مہکایا
	سچ کی منزل سب نے پائی		دل میں غنچے کھلتے دیکھے(6)

پروفیسر ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کی تروینی نظموں کا مجموعہ" بارش میں دھوپ"375 نظموں پر مشتمل ہے۔اگرچہ اُنھوں نے غزل، نظم، ماہیا، ثلاثی اور تروینی میں کتب پیش کی ہیں لیکن اُن کی اصل شہرت کی وجہ دوہانگاری ہے۔وہ اس عہد میں سب سے زیادہ دوہا کہنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ان کے دوہوں کی تعداد 13 ہزار سے متجاوز ہے، جو12 مجموعوں میں شامل ہیں۔اُنھوں نے دوہا کو نقطۂ کمال تک پہنچانے کی کوشش کی اور مہان دوہانگار کا لقب پایا۔جس طرح وہ اپنے دوہوں کو مختلف ابواب میں تقسیم کرنے کے لیے عنوانات سجاتے ہیں؛ اسی طرح اُنھوں نے تروینی نظموں پر مشتمل کتاب کو بھی دس ابواب میں تقسیم کیا ہے، جو کچھ اس طرح ہیں:

"حمد، نعت، وطن، لہریں، پریت، آنسو، دھنک، پیار، برہااور رنگارنگ۔"

یہ نظمیں ان عنوانات سے کہیں زیادہ متنوع اور ہمہ جہت ہیں۔ اُنھوں نے ہیئت میں بھی بعض تبدیلیاں کی ہیں؛ کہیں تینوں مصرعے متحد القوافی رکھے، کہیں پہلے دو، کہیں آخری دو، کہیں پہلا اور تیسرا اور کہیں معریٰ کی صورت بھی اختیار کی۔اُنھوں نے اپنی نظموں کو دوہے کے خمیر میں گوندھا اور مخصوص لفظیات میں رچایا ہے؛جو دامنِ دل اپنی طرف کھینچتا ہے:

ا	روٹھا مر اسہاگ	۲	بھور بھئی تو سندر سپنے
	کِت نگری ہے ساجنا		لوٹے سب گاؤں کو اپنے

پاتی لے جا کاگ　　　　نین جھروکے ویرانی ہے(7)

آصف ثاقب اُردو کے مستند شاعر ہیں۔ اُنھوں نے ایک تو تروینی کو "فعلن" کے مخصوص تناظر میں جانچا اور اختیار کیا؛ دوسرا اُن کے یہاں ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کی طرح ہیئت میں داخلی تجربہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ دونوں شاعروں کے یہاں جب پہلا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے، وہاں خیال دو مصرعوں تک محدود نہیں رہ پاتا بلکہ ماہیے کی فضا بن جاتی ہے۔ آصف ثاقب کی تروینیوں میں جہاں بالا کوٹ کی تباہی کا منظر آنکھوں میں روشن ہوتا ہے، وہاں اُس دردناک گھڑی میں ساتھ دینے والوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اُنھوں نے کمال وارفتگی اور دل بستگی سے یہ نظمیں کہی ہیں:

۱　آئے حرفِ تسلی لے کر　　　۲　ایک مکاں کے رہنے والے
نظمیں درد کی لکھنے والے　　　ایک ہی مدفن میں ہیں سوئے
آنسو پونچھنے والے آئے　　　پیارے ساتھ نبھانے والے(8)

زعیم رشید کا مجموعہ "تروینی تیرے نام" 120 نظموں پر مشتمل ہے۔ ہر نظم ایک پوری کتھا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے شاعر نے کڑے انتخاب کے بعد اسے پیش کیا ہے۔ گلزار جی کا گہرا اثر اگر کہیں واضح دکھائی دیتا ہے تو وہ یاوراماں اور فوقیہ مشتاق کے بعد زعیم رشید کے یہاں ہے۔ اُنھوں غمِ جاناں کو غمِ روزگار سے منسلک کر کے بھی پیش کیا ہے اور الگ الگ بھی۔ ان کی نظموں میں معاشرتی ناہمواری، کج روی اور نفسانفسی کا مضمون بھی قلم بند ہوا ہے۔ زعیم ایک ہوش مند شاعر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے ہیں:

۱　اُس کی تصویر دیکھنے کے بعد　　　۲　بھٹیارن کے دائیں بائیں کامنیوں کی بھیڑ
خود کو سب سے چھپائے پھرتا ہوں　　　اور گلی میں سجا ہے میلہ دل کے رنگوں کا
آئنہ پھر بھی دیکھ لیتا ہے　　　مر جائیں گے سپنے میری باری آنے تک(9)

سہ ماہی "شاعری" کے مدیر سہیل غازی پوری (مرحوم) مستند اور زود گو شاعر تھے۔ اُنھیں سہ مصرعی نظمیں پہلے سے ہی مرغوب تھیں۔ اُن کی ہائیکو نظموں کا مجموعہ زمانوں پہلے شائع ہوا۔ اگر اُس میں سے کھوج لگایا جائے تو گلزار جی کی وضع کردہ ہیئت کے درجنوں نمونے مل جائیں گے۔ بعض ہائیکو نگاروں کے یہاں چونکا دینے والا مصرع موجود چلا آیا ہے۔ خیر! سہیل غازی پوری

کی باقاعدہ ترویني نگاری شاعر علی شاعر کی تحریک کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اُنھوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کو اس ہیئت میں ڈھالا:

۱	چہرہ آئینہ ہے دل کا	۲	اُس نے جب سے آنکھیں پھیریں
	جو کچھ سوچا اُبھرا اُس پر		لوگوں نے پتھر برسائے
	اس دوری میں قربت دیکھیں		اک پاگل کا ہوا اضافہ (10)

رفیع الدین راز نے اُردو اَدب کے کون کون سے منطقوں کو منور نہیں کیا؟ انشائیہ لکھا، افسانے لکھے، رباعی کہی، غزلیں اور نظمیں کہیں، دوہے کہے، ماہیے کہے اور پھر ترویني میں بھی اپنا رنگ جمایا۔ اُن کا شعری کینوس وسیع تر ہے۔ اُن کے یہاں خصوصاً محاورہ اور ضرب الامثال کمال ہنر مندی سے جگہ پاتے ہیں۔راز کی ترویني نظموں میں رباعی کی سی لطافت اور فکر انگیزی ہے۔ موضوعات کا تنوع اور زیرِ بحث خیال پر مکمل گرفت ان کی فن کارانہ دسترس کا اشاریہ ہے:

۱	زمیں کی گردش پیہم ہے جاری	۲	سوکھی روٹی ہاتھوں میں
	صدائے ہُو بہ ہر جانبِ خلا ہے		پیالے میں ہے باسی دال
	ہمارا رقص بے مقصد نہیں ہے		قبروں پر ہیں تازہ پھول (11)

ڈاکٹر محمد طہور خان پارس نے مشرف حسین انجم کی طرح ترویني کو خالصتاً مذہب کے لیے برتا۔ پارس نے حمدیہ ترویني نظمیں کہیں۔ ان کے یہاں بحروں کا تنوع ہے۔ کئی اوزان میں ترویني کہہ کر انھوں نے اس کا دامن کشادہ کیا ہے:

۱	ایک اک لفظ چن چن کے تعریف کا	۲	ارض و سما میں تیری نہ وسعت سما سکے
	رات دن کر رہا ہوں میں توصیفِ رب		تیری حقیقتوں کو بھلا کون پا سکے
	میں نہ تعریف کا حق ادا کر سکا		موجود ہر جگہ ہے، دلوں میں مکین ہے (12)

حمیدہ سحر کی ترویني نظمیں اُن کی ذات اور عورت کا استعارہ ہیں۔ اُنھوں نے ذاتی دکھوں، تجربوں اور مشاہدوں کو نہایت خوب صورتی اور مشاقی کے ساتھ ترویني کی چادر پر ٹانک دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ صدیوں کا علمی ورثہ بھی ان کی شاعری کا حصہ ہے:

۱	ایک بھکارن مجھ سے بولی	۲	مجھ کو اکثر نوکر کہہ کر
	باجی میری جھولی بھر دے		خود کو راجا کہتا ہے وہ

میں تو خود کنگال کھڑی تھی — میرا جو ٹھا کھاتا ہے وہ(13)

ظہیر ظرف کا تعلق حب (بلوچستان) سے ہے؛ اگرچہ اُنھوں نے زیادہ تعداد میں تروینی نظمیں نہیں کہیں لیکن ان کی نظموں پر گلزار جی کی گہری چھاپ ہے:

۲	۱
بہت ہی زور سے مارا تھا پتھر	موت برحق ہے سنتے آئے ہیں
چیخ کر گر گیا کانچ کا آسمان	جسم فانی ہے یہ روایت ہے
خدا اَب بھی کہیں دِکھتا نہیں(14)	زندگی پر بھی کوئی بحث کرو

ان نظموں کی قرأت سے بے ساختہ گلزار جی کی یہ دو نظمیں یاد آتی ہیں:

۲	۱
خیال پھینکا ہے	سب پہ آتی ہے، سب کی باری سے
	رفتارِ بے پناہ کے ساتھ
خدا کو پہنچے یا اس	موت منصف ہے، کم و بیش نہیں
	سے پرے نکل جائے
کہ اُس کے بعد جو	زندگی، سب پہ کیوں نہیں آتی؟
	پہنچا تو مجھ تک آئے گا(15)

جاوید رسول جوہر اشرفی کی تروینی نظمیں مشاہداتی اور ذاتی کرب سے لبریز ہیں۔ انھوں نے بھی شاعر علی شاعر کی تحریک پر یہ نظمیں کہیں۔ ان کی نظموں میں معاشرتی ناہمواری کے خلاف بلند آہنگ بھی ملتا ہے۔ جو محسوس کیا، بغیر لگی لپٹی بیان کر دیا:

۲	۱
دُنیا میری مٹھی میں	جو فضاؤں میں اُڑنے والے تھے
جیسے رائی کا دانہ	اُن پرندوں کو قید کر ڈالا
پھر بھی خالی دامن ہوں(16)	یہ وتیرہ ہے میرے حاکم کا

ذوالفقار گادھی کی تروینی میں تقابل کا عنصر نمایاں ہے؛ کم و بیش ہر تروینی اسی فضا سے مملو ہے۔ اُنھوں نے خالق و مخلوق کے رشتے کو بھی خوب صورتی کے ساتھ منظوم کیا ہے:

۲	۱
دھرتی کی اس میلی گدلی چادر پہ	میں ہوں اور مجھ سے ہے میرا وجود
میرے اُجلے خواب بکھر گئے ہیں سارے	تُو ہے اور تجھ سے ہے تیرا نمود
یہ جی پائیں، دنیا ساری جی پائے(17)	بیچ میں ہم دونوں کے جو ہے تو کیا؟

گلزار (دادو۔سندھ) گلزار کے ہم نام انقلابی شاعر ہیں۔ اُن کی نظموں میں انقلاب اور مزاحمت کا دیرینہ ہنر خوبی کے ساتھ چمکتا ہے۔ اُن کا لہجہ جارحانہ اور پُر شکوہ ہے۔ ان کی شاعری محض نعرہ نہیں بلکہ اس میں ایک مسلسل کرب، ایک مسلسل الم، ایک مسلسل اُمید اور مستقبل کی تابناک جھلک کا اشاریہ موجود ہے:

۱ نہ مسجدوں میں خدا ہے، نہ رام مندر میں
کی رہبروں نے ترقی، چلے گئے دونوں
یہ رہزنوں کی ربوبیت سے چل رہا ہے وطن

۲ شاعر کی بے چینی، ڈائری میں مت رکھنا
باغیوں کے ماتھے پہ انگلیوں سے لکھ دینا
اضطرابی تشبیہیں، انقلابی ترکیبیں(18)

راقم کی تروینی نظمیں بھی دیکھ لیجیے، جنھیں گلزار جی کے رنگ میں کہنے کی کوشش کی گئی ہے:

۱ چاند تنہا اُداس بیٹھا ہے
خاک چاٹی ہے پھر ستاروں نے
کون کاری ہوئی، صلیب چڑھی؟

۲ محتسب! تمام کمال کرتے ہو
منظروں کا حساب لیتے ہو؟
سانس لیتا رہا ہوں میں برسوں(19)

درج بالا شعرا کے علاوہ عارف منصور، شفیق احمد شفیق، ساتھی محبوب اور گل زیب عباسی نے بھی تروینی کو ثروت مند کیا۔ ان تمام پاکستانی شاعروں کی حیثیت تاریخی اعتبار سے اہم ہے اوران کا شمار معتبر تروینی نگاروں میں ہو گا۔

تروینی ایک زرخیز اور قوتِ نمو سے مالا مال ہیئت ہے۔اس کی فطری حریت پسندی اور وسعت شاعر کو آزادی فراہم کرتی ہے، کہ وہ ادب کے عریض و بسیط منطقوں کا سفر کرے اور حاصلات و امکانات کو تروینی کے چوکھٹے میں جڑ دے۔ پاکستانی شاعروں نے تروینی کی اس پیشکش سے مستحسن طریقے سے استفادہ کیا اور اپنے فکر و فلسفہ، اعتقادات و نظریات، مشاہدات و تجربات، احساسات و جذبات اور زندگی کے ممکنہ امکانات کو فراخ دلی سے پیش کرکے بجائے خود تروینی کا دامن کشادہ کر دیا ہے۔ یہ ایک یادگار کام ہے، جو تروینی کی تاریخ میں ہی نہیں، اُردو اَدب کی تاریخ میں اہمیت کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ کیوں کہ فطرت و فن کا باہمی قلبی تعلق خالص ادب کو بے نردبان ہونے نہیں دیتا۔

حوالہ جات

1 تروینی، گلزار، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2012، ص5

2 محولہ بالا

3راجیسور راؤ اصغر ،راجہ ،ہندی اُردو لغت ،انجمن ترقی اُردو پاکستان ،کراچی ،1997 ،ص269
4 ترویینیاں ،شاعر علی شاعر ،بزمِ رنگِ ادب کراچی ،2009 ،ص26-58
5 تیرا انتظار ہے ، زیب النساءزیبی ،زیبی اینڈ عائزاز پبلی کیشنز ،کراچی ،2009 ،ص139-146
6نعتیہ ترویینیاں ،محمد مشرف حسین انجم ،ڈاکٹر ،بزمِ رنگِ ادب ،کراچی ،2010 ،ص32-39
7بارش میں دھوپ ،طاہر سعید ہارون ،ڈاکٹر ،پروفیسر ،بزمِ رنگِ ادب ،کراچی ،2010 ،ص118-79
8ساون رُت ، آصف ثاقب ،انتخاب مشمولہ : ترو ینی کا ارتقا ،جاوید رسول جوہر اشرفی ،رنگِ ادب پبلی کیشنز ،کراچی ،2014 ،ص161-163
9تروینی تیرے نام ،زعیم رشید ،نظمینہ پبلی کیشنز ،لاہور ،2016 ،ص44-20
10 تروینی کا ارتقا ،جاوید رسول جوہر اشرفی ،ص192
11 ایضاً ،ص195
12 ایضاً ،ص219-222
13 ایضاً ،ص240-243
14 ایضاً ،228
15 تروینی ،گلزار ،ص19-36
16 تروینی کا ارتقا ،جاوید رسول جوہر اشرفی ،ص247-249
17 ایضاً ،ص236-237
18 ایضاً ،ص233
19 تروینی کا تعارف اور نظمیں ،مشمولہ ،سنگم ،نثار احمد ،پروفیسر (مدیر) گورنمنٹ شجاع خانزادہ شہید ڈگری کالج ،حضرو ،2016 ،ص109

O